ڈاکٹر نورالحسن راشد کاندھلوی

باقیاتِ آزردہ

چند تلامذہ، تالیفات، غیر مطبوعہ فتاوا اور خطوط

انیسویں صدی عیسوی کی مشہور و ممتاز شخصیتوں میں غالب کے "دوست غم گسار، یار وفا شعار، علامۂ روزگار، ختم العلماء المتبحرین مولوی مفتی صدرالدین خاں صاحب بہادر، صدرالصدور سابق دہلی، المتخلص بہ آزردہ[۱]" کی پہلو دار شخصیت مختلف حیثیتوں سے یگانہ و منفرد ہے۔ ان کی ذات علوم اسلامیہ کی شناور، فقہ و فتاوی کی مرجع، معقولات کی ماہر، زہد و تقوے میں کامل۔ ادب و انشا پردازی میں فرد، اور شعر و سخن میں فخر اقران تھی، آزردہ ایک مشہور رئیس، ایک معزز سرکاری عہدے پر فائز، اور دربار شاہی میں بھی باریاب تھے، ان خصوصیات کی وجہ سے ان کی شخصیت میں خاص دلکشی اور جامعیت پیدا ہوگئی تھی۔ بقول مؤلف نزہۃ الخواطر:

" کان نادرۃ دھرہ فی کل علم لاسیما الفنون الادبیہ اذا سئل فی فن من الفنون ظن الرائی والسامع انہ لایعرف غیر ذٰلک الفن، وحکم ان احد الایعرف مثلہ ولذٰلک تری العلما یحسبونہ علامًا منفردًا فی العلم، والشعراء یزعمون انہ حامل لواء الشعر، والامراء یرجعون الیہ فی کل امر"[۲]

---

[۱] نامۂ غالب بنام عبدالرزاق شاکر، اُردوے معلی، ص ۱۶۱ (شیخ مبارک علی لاہور، پہلا ایڈیشن)

[۲] نزہۃ الخواطر مولانا عبدالحی حسنی ص ۲۲۰ ص ۲۲۱ جلد ۷ (حیدرآباد ۱۳۷۸ھ)

اپنے زمانے میں ہر علم وفن میں بے مثال تھے خصوصاً فنون ادبیہ میں جب ان سے کسی فن کے متعلق سوال کیا جاتا تو دیکھنے اور سننے والے سمجھتے کہ انھوں نے پوری عمر میں یہی فن حاصل کیا ہے، کوئی اور شخص اس علم کو ان کے برابر نہیں جانتا، اور یہی وجہ ہے کہ علماء ان کو صرف بلند پایہ عالم خیال کرتے ہیں، اور شعرا کا گمان ہے کہ وہ صرف (بڑے) شاعر تھے، اور امرا ہر معاملے میں ان سے رجوع کرتے تھے۔

مفتی صاحب اس زمانے کے رؤسا اور خوش حال افراد کی طرح عیش وآرام کی زندگی گزارتے تھے مگر جب ۱۸۵۷ء میں آزادی کی تحریک شروع ہوئی اور جہاد کا فتوا مرتب ہوا تو مفتی صاحب نے محسوس کرلیا تھا کہ ایسے موقع پر غفلت کو نہ تاریخ معاف کرتی ہے نہ شریعت، اور شاید اسی خیال نے مفتی صاحب کو فتوی جہاد پر دستخط کرنے والے اکثر علما کا پیشرو بنا دیا تھا۔ [۱]

جنگ آزادی کے دوران بھی مفتی صاحب کی مقبولیت اور ان پر عوام وخواص کا اعتماد بدستور رہا، کئی موقعے ایسے آئے کہ بپھرے ہوئے فوجیوں اور عوام کو مطمئن کرنے میں ممتاز درباری اور خود جہاں پناہ بہادر شاہ ظفر بھی ناکام رہے۔ مگر مفتی صاحب کے غیر معمولی احترام، اور ان کی فراست نے حالات کو ابتر ہونے سے بچایا، اور مشتعل افراد کو کوئی نامناسب کام کرنے سے باز رکھا۔ [۲]

جنگ آزادی ناکام ہوجانے کے بعد مفتی صاحب پر مقدمہ چلا، جائداد ضبط ہوئی،

---

[۱] اس فتوے کی جو نقل صادق الاخبار دہلی ۵ ذی الحجہ ۱۲۷۳ھ/۲۷ جولائی ۱۸۵۷ء شمارہ ۳۰ جلد ۱۹ میں چھپی تھی اس میں تیسری مہر مفتی صاحب کی ہے، صادق الاخبار کے عکس کے لیے رجوع فرمائیے۔ ۱۸۵۷ء اخبارات ودستاویزات، محمد عتیق صدیقی ص۱۹۹ (علی گڑھ ۱۹۶۶ء)

[۲] ملاحظہ کیجیے ۱۸۵۷ء کا تاریخی روزنامچہ، از عبداللطیف، مرتبہ پروفیسر خلیق احمد نظامی ص ۵۹ ص ۴۷ ص ۸۸ (دہلی ۱۹۵۸ء) اور اخبارات ودستاویز ص ۱۹۶۔

کتب خانہ نیلام ہوا، سزا پائی اور چھ مہینے جیل میں رہے۔ جیل میں قید تنہائی اور بے کسی و مایوسی نے مفتی صاحب اور ان کے معزز ساتھیوں کو کس حد تک اتر آنے پر مجبور کر دیا تھا، اس کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ :-

"غریب امیر ایک ہی بیت الخلا کی کھڈیوں پر بیٹھ کر بے تکلف باتیں کرتے تھے، مولوی ذکاء اللہ نے ایک واقعہ لکھا ہے جو لطیفہ بھی ہے اور حد درجہ درد ناک بھی فرماتے ہیں: ایک غریب آدمی کو توالی سے چھوٹ کر آیا تو اس نے کہا آج میں نے جانا شہر سے جلا وطن ہوا، جب تک حوالات میں تھا روزانہ بیت الخلا میں نواب حامد علی خاں، مفتی صدر الدین آزردہ، اور رؤسائے شہر سے بے تکلف برابر کی باتیں ہوتی تھیں، اب یہ بات کب مجھے میسر ہے۔" [۱]

جیل سے رہا ہونے کے بعد ہر چند کہ تنگ دستی اور معاشی پریشانیوں کا ساتھ رہا، مگر علمی خدمات اور درس کا سلسلہ اس وقت بھی جاری تھا، اخیر عمر میں فالج کا حملہ ہوا، اور اسی بیماری میں ۲۴ ربیع الاول ۱۲۸۵ھ/۱۶ جولائی ۱۸۶۸ء میں وفات پائی۔ درگاہ حضرت شیخ نصیر الدین روشن چراغ، دہلی میں دفن ہوئے۔

مفتی صاحب نے کوئی جسمانی یادگار نہیں چھوڑی، مگر ان کا علمی ورثہ تالیفات، فتاوی اور شاگردوں کی شکل میں آئندہ نسلوں تک منتقل ہوا۔ مفتی صاحب کے متعدد شاگردوں نے مورخ اور تذکرہ نگار کی حیثیت سے شہرت حاصل کی اور ان کی تالیفات میں مفتی صاحب کا تذکرہ و تعارف بھی ملتا ہے [۲] مگر کسی کتاب میں مفتی صاحب کی تالیفات اور شاگردوں کی مفصل

---

[۱] ۔ ۱۸۵۷ء، غلام رسول مہر ص ۲۲۷ (لاہور۔ بلا سنہ) بحوالہ عروج عہد انگلشیہ، ذکاء اللہ ص ۷۱۳۔

[۲] تاریخ شعرائے عرب، کریم الدین۔ پانی پتی ص ۳۹۶ ص ۴۰۰ (دہلی ۱۸۴۷ء) نسخہ مملوکہ راقم سطور۔ طبقات شعرائے ہند، کریم الدین ص ۴۴۶ ۴۴۷ (دہلی ۱۸۴۸ء) ابجد العلوم نواب صدیق حسن خاں ص ۹۱۷ (بھوپال ۱۲۹۵ھ) اور آثار الصنادید۔ سر سید احمد ص ۴۲ ص ۵۱ (لکھنو ۱۳۱۸ھ) نیز رجوع فرمایئے حدائق الحنفیہ۔ فقیر محمد جہلمی۔

فہرست نہیں تھی، شاگردوں کی پہلی مفصل فہرست عبدالرحمٰن پرواز اصلاحی صاحب نے مرتب کی ہے اس میں تیس شاگردوں کا ذکر ہے[1]۔ مگر اس فہرست میں تقریباً اتنا ہی یا شاید اس سے زیادہ اضافہ کیا جا سکتا ہے، یہاں چند ایسے نام ذکر کیے جاتے ہیں جو اصلاحی صاحب کی فہرست میں نہیں ہیں :-

۱ - مولانا ابراہیم بن مدین اللہ نگرنہسوی م ۱۲۸۲ھ / ۱۸۶۶ء[2]
۲ - مولانا لطف علی راج گیری —— م ۱۲۹۶ھ / ۱۸۷۹ء[3]
۳ - مولانا علیم اللہ نگرنہسوی —— م ۱۳۰۶ھ / ۱۸۸۸ء[4]
۴ - مولانا صدرالدین خاں رامپوری - م ۱۳۰۹ھ / ۱۸۹۰[5]
۵ - مولانا احمد علی رامپوری ٹونکی — م ۱۳۱۸ھ / ۱-۱۹۰۰ء[6]
۶ - مولانا امام الدین ٹونکی —— م ۱۳۱۹ھ / ۹-۱۹۱۰ء[7]
۷ - مولانا سید کمال علی پوری —— م ۱۳۲۴ھ / ۶-۱۹۰۷ء[8]
۸ - مولانا غلام قادر بھیروی —— م ۱۳۲۶ھ / ۱۹۰۸ء[9]
۹ - مولانا سید عبداللہ بازید پوری — م ۱۳۲۸ھ / ۱۹۱۰ء[10]

---

[1] مفتی صدرالدین آزردہ، عبدالرحمٰن پرواز اصلاحی ص ۱۰۱ ص ۱۳۳ (دہلی ۱۹۷۷ء)
[2] نزہۃ الخواطر، مولانا عبدالحی حسنی ص ۵ جلد ۷۔
[3] نزہۃ الخواطر، ص ۴۰۱ جلد ۷۔
[4] نزہۃ الخواطر، ص ۳۲۳ جلد ۸ (حیدرآباد ۱۳۹۰ھ)۔
[5] تذکرۂ کاملان رامپور، احمد علی شوق ص ۱۷۵ (دہلی ۱۹۲۹ء)
[6] نزہۃ الخواطر، ص ۴۵ جلد ۸۔
[7] نزہۃ الخواطر، ص ۶۷ جلد ۸۔
[8] نزہۃ الخواطر، ص ۴۵۳ جلد ۸۔
[9] نزہۃ الخواطر، ص ۴۹ جلد ۸۔ و تذکرۂ علمائے اہل سنت لاہور جناب اقبال ص ۲۲۷ (لاہور ۱۹۷۵ء)
[10] نزہۃ الخواطر، ص ۲۹۵ جلد ۸۔

۱۰ - مولانا محمد حسین بٹالوی   م ۱۳۳۸ھ/ ۲۰-۱۹۱۹ء - لے

۱۱ - مولوی حکیم ابراہیم ہاپوڑی   ۱۹۱۵ تک حیات تھے ۲ے -

اردو تالیفات کی جامع ترین فہرست ڈاکٹر مختارالدین احمد نے مرتب کی ہے۔ اس فہرست میں تیرہ کتابوں کا تعارف کرایا گیا ہے جو درحقیقت بارہ ہیں، ایک کتاب کا ہوا دو جگہ نام آگیا ہے۔ محترم ڈاکٹر صاحب کے الفاظ ہیں :-

"مفتی صاحب کی تصانیف دو حصوں میں تقسیم کی جا سکتی ہیں، ایک وہ جن کا ذکر صرف کتابوں میں ملتا ہے اور وہ بظاہر حوادث کی نظر ہو گئیں، اور دوسری وہ تصانیف جن کے وجود کی اطلاع ہے، اور جو دست برد زمانہ سے کسی طرح محفوظ بھی رہ گئیں"۔ ۳ے

پہلی قسم کی کتابوں میں حاشیہ برمیر زاہد، کتاب در صنائع و بدائع، شرح دیوان متنبی، درالمنضود فی حکم امرأۃ المفقود، تحریر در مسئلہ امتناع (؟ امکان) نظیر، کا ذکر کیا ہے، اور جن تالیفات کا ایک ایک نسخہ موجود ہے ان میں منتہی المقال شرح حدیث لاتشد الرحال، واقعتہ الفتوی، شرح ضابطۃ التہذیب، جواب شبہہ لزومیات اعتباریہ فی العقول المجردہ، رسالہ در تحقیق دعا بین الخطبتین، رسالہ منطق، اور تذکرہ شعرا کا ذکر آیا ہے۔

ڈاکٹر صاحب نے جن کتابوں کے ناپید ہونے کی اطلاع دی ہے ان میں سے حاشیہ برمیر زاہد، درالمنضود فی حکم امراۃ المفقود، رسالہ مسئلہ امکان نظیر، اور حاشیہ دیوان متنبی بھی ہمارے ذخیرۂ کتب میں موجود ہے۔ حاشیہ بر قاضی مبارک کا بھی ایک نسخہ موجود تھا۔ مولانا نورالحسن

لے نزہۃ الخواطر، ص ۴۲۷ ج ۸۔

۲ے رموز الاطبا، حکیم فیروزالدین و حکیم محمد شریف ص ۱۵۹ جلد دوم (لاہور ۱۹۲۴ء)

۳ے مفتی صدرالدین آزردہ کی کچھ نایاب و کمیاب تحریریں۔ از پروفیسر مختارالدین احمد صاحب غالب نامہ، نئی دہلی شمارہ جولائی ۱۹۸۱ء ص ۸۱، نیز رجوع فرمایئے مقدمۂ تذکرۂ آزردہ ص ۸ - (کراچی ۱۹۷۴ء)

کاندھلوی[1] کی ذاتی کتابوں کی فہرست میں مولانا کے قلم سے" حاشیہ قاضی مبارک مفتی صدر الدین رحمۃ اللہ"

---

[1] مولانا نورالحسن خلف مولانا ابوالحسن حسن صاحبزادہ خاتم مثنوی مولانا روم حضرت مفتی الٰہی بخش کاندھلوی، ربیع الاول ۱۲۲۷ھ / ۹ مئی ۱۸۱۲ء میں ولادت ہوئی۔ ابتدائی تعلیم والد ماجد اور مفتی الٰہی بخش سے حاصل کی پھر دہلی بھیج دیے گئے، دہلی کب جانا ہوا اس کی صحیح تاریخ معلوم نہیں لیکن ۱۲۴۵ھ میں مدرسہ دہلی (دلی کالج) میں نورالانوار وغیرہ پڑھتے تھے۔ نورالانوار میں کامیابی پر جو سند ملی تھی وہ راقم کے پاس موجود ہے۔

غالباً دلی کالج سے رابطہ جلد ہی ختم ہوگیا تھا۔ اس کے بعد تمام تعلیم مفتی صدرالدین آزردہ اور مولانا فضل حق خیرآبادی سے حاصل کی، حدیث کی کتابیں ۱۲۵۶ھ میں حضرت شاہ محمد اسحاق محدث سے پڑھیں تعلیم کے دوران آزردہ و آرزو کے شاگرد بھی مولانا سے پڑھتے رہے، اسی وقت سرسید کے مولانا نورالحسن سے تلمذ کی ابتدا ہوئی۔

تعلیم کے بعد گورنمنٹ کالج آگرہ میں عربی کے پروفیسر مقرر ہوئے، چار سال اس عہدے پر رہے۔ پھر مستعفی ہوکر محرم ۱۲۶۳ھ / ۴ر جنوری ۱۸۴۶ء نکوڑ میں قائم مقام تحصیلدار ہوئے محرم ۱۲۶۴ھ ۱۸۴۷ء میں تحصیلدار ہوگئے تھے، جمادی الآخر ۱۲۶۷ھ / اپریل ۱۸۵۱ء میں اس ملازمت کو بھی ترک کیا، اور چند مہینے وطن میں گزارنے کے بعد ذی قعدہ ۱۲۶۷ھ / ستمبر ۱۸۵۱ء میں الور کی طلب پر الور گئے۔ ۱۲۷۰ھ ۱۸۵۴ء تک الور میں قیام رہا، یہاں بھی ایسی چیزیں سامنے آئیں جو دینی غیرت و حمیت کے خلاف تھیں اس لیے الور بھی چھوڑا اور پھر وطن میں قیام کیا اور درس کا سلسلہ شروع کیا، مولانا نورالحسن سے بہت سے اشخاص نے تعلیم حاصل کی۔ مولانا عبدالحیٔ حسنی نے لکھا ہے: "واخذ عنہ خلق کثیر من العلماء" ——— (نزہۃ الخواطر ص ۵۱۱ جلد ۷)

مولانا کے شاگردوں میں سب سے زیادہ شہرت و عزت سرسید احمد کو حاصل ہوئی، سرسید نے دہلی اور فتح پور سیکری میں مولانا سے تعلیم حاصل کی۔ سرسید نے جلاء القلوب بذکر المحبوب، تحفہ حسن تسہیل فی جرثقیل میں مولانا سے تلمذ کا ذکر کیا ہے، اور آثارالصنادید میں لکھا ہے:۔

" بمقتضا اس کے کہ بدان را بہ نیکاں بہ بخشد کریم، راقم آثم کے حال پر ان

کا اندراج ہے[1]۔ یہ نسخہ کہاں گیا، کیا ہوا کچھ سراغ نہیں ملا۔ محفوظ کتابوں کا تعارف ذیل میں

بقیہ : حضرت کی نگاہ توجہ کو اب ایسا متوجہ کر دیا ہے کہ بدرجہ غایت نظر تربیت استادانہ سے منظور فرماتے ہیں کہ شاید یہی نظر عنایت بارگاہ کریم میں اس احقر کی نجات کا سبب ہوجائے، کوتاہ شب وفسانہ بسیار، زبان قلم قاصر ہے کہاں تک لکھے، اگر زمانہ مساعد ہوگا تو ایک دفتر علاحدہ ان سرگروہ کملائے دھر کے محامد میں لکھوں گا۔"

ص ۱۲٦ جلد سوم —— (دہلی ۱۸۹۷ء)

مولانا کے نام سرسید کے مکتوبات، اور اس تلمذ کی تفصیل کے لیے رجوع فرمایئے راقم سطور کا مضمون "حیات سرسید کا ایک گم شدہ ورق" ماہ نامہ آج کل نئی دہلی مئی ۱۹۷۵ء۔

دہلی کے قیام میں مولانا کے غالب سے بھی مراسم ہو گئے تھے اور خط وکتابت بھی رہتی تھی، مولانا کے نام غالب کے خطوط پاکستان منتقل ہو گئے ہیں، ان خطوط کی صحیح تعداد کا تو معلوم نہیں مگر کم از کم دو خط ضرور ہیں جن میں سے ایک خط پر "نجم الدولہ دبیر الملک اسد اللہ خاں نظام جنگ" کی مہر بھی موجود ہے، معلوم ہوا ہے کہ یہ خطوط کسی مجلّہ میں شائع ہو گئے ہیں، مگر اس اطلاع کی تصدیق نہیں ہو سکی، اگر کوئی غالب نواز یہ معلومات فراہم فرمادیں تو عنایت ہوگی۔

مولانا کو کتابیں خریدنے کا بے حد شوق تھا، غالب دہلی سے مولانا کی فرمائش پر منتخب کتابیں خرید کر بھیجتے رہتے تھے، مولانا نے الور کے قیام میں غالب کی معرفت جو کتابیں خریدیں ان کی فہرست مولانا کے قلم سے راقم سطور کے پاس محفوظ ہے۔

حاشیہ ہدایہ اولین، تاریخ ریاست الور، صنعت اہمال (بے نقط الفاظ) میں انتخاب احادیث استبصار، مؤلفہ مولانا آل حسن موہانی، اور رسالہ فرائض مولانا کی علمی یادگار ہیں، امیر شاہ خاں خورجوی کی روایت کے مطابق مأۃ مسائل (منسوب بہ شاہ محمد اسحاق محدث دہلوی) بھی مولانا نور الحسن کی تالیف ہے۔

مولانا نے ۱۱ محرم ۱۲۸۵ھ / ۵ مئی ۱۸٦۸ء کاندھلہ میں وفات پائی مفتی الٰہی بخش کے بائیں دفن ہوئے۔

[1] اس موقعے پر یہ اطلاع نامناسب نہ ہوگی کہ قاضی مبارک پر مولانا فضل حق خیرآبادی نے بھی مفصل حاشیہ لکھا تھا، کریم الدین پانی پتی نے اس حاشیہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے: "یہ حاشیہ میں نے بھی مولوی نورالحق (؟ الحسن) کے پاس دیکھا تھا، بہت اچھا ہے" (تاریخ شعراے عرب ص ۴۰۷) یہ نسخہ جس کا

بقیہ اگلے صفحہ پر

پیش کیا جاتا ہے۔

۱ - حاشیہ برمیر زاہد، یہ میر زاہد کے مکمل متن کی شرح نہیں ہے، جیساکہ مولف مشائخ کاندھلہ کی عبارت سے محترم ڈاکٹر صاحب کو شبہہ ہوا۔ یہ صرف اس کے پہلے قول "در تحقیق بعدیۃ" کی توضیح تحقیق ہے، فل اسکیپ سائز کے نفیس کاغذ اور خوب صورت قلم سے لکھا ہوا یہ نسخہ ۱۲۴۷ھ میں دہلی میں کتابت ہوا، اس وقت اس رسالے کے کاتب مولانا نور الحسن، مفتی صاحب سے تعلیم حاصل کر رہے تھے۔ ترقیمۂ کتاب ان الفاظ پر مشتمل ہے:-

"تمت الرسالۃ العزیزۃ بل الجوھر الفریدۃ، لمولانا و استاذنا افضل المتاخرین وصدر المحققین، صدر الملۃ والدین ایدہ اللہ الی یوم الدین. وانا العبد العاصی محمد نور الحسن عفی عنہ، فی سنۃ الف ومأتین وسبع واربعین من الھجرۃ"

ڈاکٹر مختار الدین احمد صاحب نے رسالہ منطق کے نام سے جس تالیف کا ذکر کیا ہے[۱] وہ بھی یہی رسالہ ہے، کتب خانہ رام پور کی قدیم فہرست میں اس کا اندراج " حاشیہ علی میر زاہد علی الرسالۃ القطبیہ" کے نام سے ہے، اور یہ وضاحت بھی ہے کہ " صرف در بحث بعدیۃ است"[۲]۔

۲ - در المنضود فی حکم امراۃ المفقود - یہ رسالہ فارسی میں ہے۔ اور اس سوال

بقیہ کریم الدین نے ذکر کیا ہے۔ مولانا فضل حق کا تصحیح کیا ہوا ہے اور اس وقت ہمارے ذخیرۂ کتب میں موجود ہے، مولانا فضل حق کا حاشیہ قاضی مبارک شائع ہو چکا ہے (دہلی ۱۳۱۷ھ) مطبوعہ کا جو نسخہ ہمارے یہاں ہے وہ خیر آباد میں غالباً مولانا اسد الحق کے درس میں تصحیح ہوا ہے اور اس پر وہ عبارتیں بھی درج ہیں جو طباعت میں رہ گئی ہیں۔

[۱] غالب نامہ۔ نئی دہلی شمارہ جولائی ۱۹۸۱ ص ۸۶

[۲] فہرست کتب خانہ رامپور، مرتبہ: حکیم اجمل خاں ص ۴۴۶ (رامپور ۱۹۰۲ء)

کے جواب میں تالیف ہوا ہے کہ ایک شخص عرصے سے غائب اور لاپتا ہے، اس کی بیوی جوان ہے، زنا کا خطرہ ہے، اس صورت میں حنفی کا فقہِ مالکی پر عمل کرتے ہوئے چار سال بعد اس عورت کا نکاح کر دینا جائز ہے یا نہیں۔؟

مفتی صاحب نے اس کا مفصل جواب دیا ہے اور لکھا ہے کہ اس مسئلے میں صرف فتوا دینا کافی نہیں ہے جب تک قاضی شریعت اس کی اجازت نہ دے دے:-

" عالم مقلد حنفی مذہب را فتوا دادن بر مذہب امام مالک درین مقدمہ جائز نیست، تا وقتے کہ قضا بآن ملحق نشود و قاضی حکم بآن ندہد" [1]

اس کے بعد اس پر گفتگو ہے کہ اگر قاضی حنفی فقہ مالکی کے مطابق فتوا بھی دیدے تو وہ بھی نافذ نہیں ہوگا، اور یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ اس کا حکم نافذ ہے تو اصول یہ ہے کہ اگر کسی چیز کے حرام اور مباح ہونے میں اختلاف ہو تو ترجیح حرمت کو ہوگی اور اس نکاح کی حرمت پر اکثر مجتہدین کا اتفاق ہے، اس لیے یہ نکاح جائز نہیں ہے[2] خلاصہ بحث یہ ہے کہ:-

وبالجملہ صورت جواز نکاح زوجہ مفقود، در غیبت او، بعد انقضاے چہار سال بہیچ گونہ معقول و مقبول نمی شود، نہ درایۃ و نہ روایۃ - فالقول قول امامنا امام الائمۃ سراج الامہ ابوحنیفۃ النعمان افاض اللہ علیہ شآبیب الغفران، واسکنہ فرادیس الجنان حررہ العبد المعتصم

---

[1] درالمنضود، مفتی صدرالدین آزردہ ص ۲ -

[2] مگر بعد میں علما نے اس مسئلے میں بعض شرائط کے ساتھ فقہ مالکی پر عمل کرنے کی اجازت دے دی تھی اور اس وقت اسی پر فتوا ہے۔ تفصیلات کے لیے رجوع فرمایئے الحیلۃ الناجزہ للحلیلۃ العاجزہ، تالیف مولانا اشرف علی تھانوی -

بحبل الله المتين محمد صدر الدين، شرح الله صدره
بنور المعرفة واليقين، وذلك في مستهل رجب سنة ۱۲۷۹ھ
(۱۸۶۲ء) دسمبر۔
یہ رسالہ مطبع احمدی[1] دہلی میں اموجان[2] کے اہتمام سے شائع ہوا، سنہ طباعت

---

[1] دہلی میں مطبع احمدی کے نام سے متعدد پریس قائم ہوئے، ان میں ۴ اس قدر قریب العہد ہیں کہ ان کی مطبوعات کی نسبت میں اکثر مغالطہ ہو جاتا ہے اس لیے ان کی وضاحت کی جاتی ہے:-

۱- احمدی جو نگم بودھ پر واقع تھا اور ربیع الاول ۱۲۶۰ھ/ اپریل ۱۸۴۴ء سے پہلے شیخ وجیہ الدین سہارنپوری نے شروع کیا تھا، بعد میں مولانا احمد علی محدث سہارنپوری اس کے مالک، اور شیخ ظفر علی مہتمم ہوئے، یہ مطبع ۱۸۵۷ء/ ۱۲۷۴ھ تک دہلی میں رہا، ۱۸۵۷ء کے بعد میرٹھ منتقل ہو گیا. اس مطبع نے حدیث کے بنیادی متون خصوصاً صحیح بخاری، مسلم، ترمذی اور مشکوۃ غیر معمولی تصحیح اور اہتمام سے شائع کیے، اس مطبع کے متعلق اختر شہنشاہی کے بیان میں کئی غلطیاں ہیں۔ محمد اشرف نے اس کا سنہ اجرا جنوری ۱۸۴۸ء/ محرم ۱۲۶۴ھ، محل وقوع شاہدرہ، اور اس کا مالک مولوی عبدالرحمن کو لکھا ہے (ص ۱۶ لکھنؤ ۱۸۸۸ء)۔ تینوں باتیں غلط ہیں، یہ مطبع اپریل ۱۸۴۴ء میں نگم بودھ پر موجود تھا، رسالہ مظہر الحق، جو "بمطبع احمدی باہتمام شیخ وجیہ الدین بگذر نگم بودھ شاہ جہان آباد ربیع الاول ۱۲۶۰ھ میں چھپا ہمارے ذخیرۂ کتب میں موجود ہے، اس کے مالک مولانا احمد علی تھے۔ اس کی متعدد مطبوعات میں اس کی وضاحت ملتی ہے، عبدالرحمن مولانا کے صاحبزادے تھے، جو مطبع کے ۱۸۵۷ء کے بعد میرٹھ میں شروع ہونے پر اس کے نگران و منتظم تھے، محمد اشرف نے دوسرے موقع پر مولانا احمد علی کے مطبع احمدی کا اجرا ۱۸۷۵ء میں لکھا ہے۔ (اختر شہنشاہی ص ۱۲۰) یہ بھی صحیح نہیں ہے. اس وقت تو مولانا احمد علی کا مطبع میرٹھ سے بھی ختم ہو چکا تھا۔

۲- احمدی جو شاہدرہ، دلہائی (کذا؟) ضلع میرٹھ (اک خاتمۃ الطبع کیمیائے سعادت مطبوعہ ۱۲۷۹ھ) میں واقع تھا۔ اس کے مالک و مہتمم مرزا امین اللہ خاں عرف اموں جان تھے، اس مطبع نے تصوف اور ادب کی منتخب کتابیں خصوصاً دیوان غالب کا تیسرا ایڈیشن ۱۲۷۸ھ میں اور

درج نہیں، کُل ۱۶ صفحے کا رسالہ ہے جس میں آخر کے دو صفحات پر مناجات ظفر ہے

۳ - رسالہ امکان نظیر۔ تقویۃ الایمان تالیف حضرت شاہ محمد اسماعیل شہید ۱۲۴۶ھ کی ایک عبارت پر اعتراض کرتے ہوئے مولانا فضل حق خیر آبادی نے امکان و امتناع نظیر خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی بحث شروع کی، اور مولانا شہید کے رد میں ایک رسالہ لکھا[1]، مولانا شہید نے اسی وقت اس کا جواب دیا جو رسالہ یک روزی کے نام سے مشہور ہے اور چھپ چکا ہے[2]. مولانا شہید کی اس تحریر کی تائید میں مفتی صاحب نے بھی ایک رسالہ تحریر کیا تھا۔ یہ رسالہ محرم ۱۲۷۸ھ/اگست ۱۸۶۱ء میں تالیف ہوا اور مفتی صاحب کی حیات میں مطبع افضل المطابع (؟ دہلی) سے باہتمام شیخ الٰہی بخش شائع ہوا، مقام اور سنہ

بقیہ صفحہ نمبر   اور دیوان ذوق کا پہلا ایڈیشن ۱۲۷۹ھ میں شائع کر کے اردو ادب کی تاریخ میں لازوال شہرت حاصل کی۔ یہ دونوں اشاعتیں ہمارے ذخیرہ کتب میں موجود ہیں۔

۳ - احمدی جو شیر محمد بن مولوی غلام محمد جھجری کی ملک اور پہاڑی املی میں واقع تھا۔ اس کی مشہور مطبوعات میں مکتوبات شیخ عبدالقدوس گنگوہی، اور مکتوبات مجدد الف ثانی ہیں۔

۴ - احمدی جو بھوجلہ پہاڑی پر واقع تھا۔ اس کی بھی چند مطبوعات ہمارے یہاں موجود ہیں مگر سامنے نہیں ہیں۔

[3] ۱۲۸۶ھ میں انتقال ہوا، نساخ نے تاریخ کہی "سال مرگش ہائے درد ہائے غم" گنج تواریخ ص ۵۲ (نول کشور لکھنؤ ۱۲۹۱ھ)

[1] اس رسالے کا قدیم ترین خطی نسخہ مکتوبہ ۱۲۴۱ھ مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور کے کتب خانے میں ہے ایک نسخہ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کے خاندانی مرقع میں راقم سطور کی نظر سے گزرا ہے ہمارے ذخیرۂ کتب میں بھی ایک نسخہ موجود ہے۔ اس کے علاوہ اور بھی قلمی نسخے دستیاب ہیں۔

[2] رسالۂ یک روزی ایک سے زائد بار چھپا ہے قلمی نسخہ جامع مسجد پھلت (مظفر نگر) کے کتب خانے میں تھا۔

طباعت درج نہیں ، یہی وہ ایڈیشن ہے جس کا مولانا ابوالکلام آزاد نے حوالہ دیا ہے، ۸۸ صفحات کی یہ کتاب چار کتابوں کا مجموعہ ہے۔ ان میں اصل اور بڑی کتاب ایضاح الحق الصریح فی احکام المیت والصریح ہے جو درمیان صفحہ میں آخر تک چلی گئی ہے، اس کے حاشیہ پر پہلے رسالہ یک روزی ہے پھر ص ۴۷ سے ص ۷۲ تک مفتی صاحب کا رسالہ امکان نظیر ہے اس کے بعد امکان نظیر پر ایک رسالہ اور ہے، اس کے مؤلف کا ذکر نہیں ہے، اوّل الذکر دونوں کتابوں کے مولف حضرت شاہ اسماعیل شہید ہیں۔

مفتی صاحب کے رسالۂ امکان نظیر کا ایک قلمی نسخہ حکیم محمود احمد صاحب برکاتی (کراچی) کے ذخیرۂ کتب میں ہے لہ۔

۴ - شرح دیوان متنبی۔ ہمارے ذخیرے میں دیوان متنبی کا ایک خوش قلم مخطوطہ محفوظ ہے، اس پر عربی میں جامع مگر مختصر حاشیہ ہے، اس حاشیے میں تمام مشکل عبارتوں کا حل، اور تلمیحات کی وضاحت ہے، یہ نسخہ دو سو اوراق پر مشتمل ہے، دیوان متنبی ورق ۱۹۴ ب پر ختم ہوگیا ہے، اس صفحے کے حاشیے کے اختتام پر یہ عبارت تحریر ہے :-

" الحمد للہ القادر الفیاض علی ما وفق عبدہ الانتہاض بتصحیح ھذہ الدیوان وتحشیۃ مع قصور باعہ و ظہور ضعف قواہ ، انما ذلک من اللہ ، والحمد للہ اولا وآخرا وظاھرا وباطنا ، وکان ذلک فی اوائل سنۃ الف ومأتین واحدی وستین ، والصلوۃ والسلام علی رسولہ الکریم ماجری الصبا وھب النسیم ــــــ "

آخر میں کاتب کا نام تھا جسے اس طرح مٹایا گیا ہے کہ اس جگہ سے کاغذ بھی

لہ فضل حق خیرآبادی اور سنہ ۵۷، حکیم محمود احمد برکاتی ص ۱۰۹ (کراچی ۱۹۷۵ء)

پھٹ گیا ہے، حصۂ نظم کے بعد ورق ۱۹۴ ب سے علامہ تقی الدین سبکی کا ایک قصیدہ شروع ہوگیا ہے جو ۱۹۹۔ الف پر ختم ہوا ہے، آخر کے دو صفحات میں اس قصیدے کے فنی محاسن اور صنائع و بدائع شمار کرائے ہیں، اسی پر کتاب ختم ہوگئی ہے[1] آخر میں کاتب نے اپنا نام وغیرہ نہیں لکھا ہے۔

مولانا نورالحسن کاندھلوی کے خاندان میں روایت ہے کہ یہ نسخہ مولانا کے قلم سے ہے مگر راقم سطور کو اس کے مولانا کی تحریر و تالیف ہونے میں شبہہ ہے، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کا قلم مولانا نورالحسن کے قلم سے مختلف ہے، مولانا کے قلم سے ۱۲۶۱ھ اور اس کے بعد کی لکھی متعدد کتابیں اور مختلف تحریرات موجود ہیں، حاشیہ دیوان متنبی کا خط ان میں سے کسی تحریر سے بھی ہم آہنگ نہیں ہے، مولانا کی تحریرات اور اس نسخہ میں اس قدر واضح فرق ہے کہ ایک شخص کی تحریر میں ایک دو سال میں اتنا تغیر عادۃً ممکن نہیں ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ کاتب نے اپنے ظہور ضعف قوی کا ذکر اور اعتراف کیا ہے اور اس کتاب کی تحریر کے وقت اوائل ۱۲۶۱ھ میں مولانا نورالحسن کی عمر صرف ۳۳ سال تھی (ولادت ربیع الاول ۱۲۲۷ھ) اس نوجوانی اور کم عمری میں بیماری یا سستی کا عذر تو ممکن ہے مگر ضعف قوی کی بات عجیب معلوم ہوتی ہے۔ جب کہ یہ بھی معلوم ہے کہ مولانا اس وقت تندرست و توانا تھے اور اس کے بعد بھی تیس سے زائد کتابیں اپنے قلم سے نقل کیں مگر ان میں سے کسی میں ضعفِ قوی یا کسی بیماری کا ذکر نہیں ہے۔ لیکن اس وقت مفتی صاحب (ولادت ۱۲۰۴ھ) عمر کی اس منزل میں داخل ہو چکے تھے جب جسم ضعیف اور قوی کمزور ہو جاتے ہیں۔

---

[1] دیوان متنبی کا ایک نسخہ اسی ترتیب سے جو اس قلمی نسخے کی ہے کلکتہ سے غالباً ۱۸۵۷ء سے پہلے شائع ہوا تھا۔ اس کا ایک ناقص الاول نسخہ ہمارے ذخیرے میں ہے۔ جب تک سنہ طباعت کی تحقیق نہ ہو نہیں کہا جا سکتا کہ مخطوط اس مطبوعہ سے نقل ہوا، یا مطبوعہ کی اساس یہ قلمی نسخہ ہے۔

اس لیے بہترین قیاس ہے کہ یہ نسخہ مفتی صاحب کے قلم سے ہو[1]۔

مفتی صاحب کی دستیاب تالیفات میں سے واقعۃ الفتوا[2 الف] کا تعارف کراتے ہوئے پروفیسر مختار الدین احمد صاحب نے لکھا ہے کہ "اس قدر کم یاب ہے کہ ایک نسخے کے علاوہ کسی اور نسخے کی اطلاع نہیں"[2 ب] اس کتاب کے دو نسخے جو مختلف اشاعتوں کے ہیں ہمارے یہاں محفوظ ہیں یہ دونوں ایڈیشن دہلی میں چھپے، دونوں کے صفحات ۳۶ ہیں، امتیاز یہ ہے کہ ایک نسخے کا کاغذ دبیز ہے۔ غالباً یہ پہلا ایڈیشن ہے اس کے سرورق کا دو تہائی صفحہ جامع مسجد دہلی اور اس کے شمالی دروازے سے متصل زیارت گاہ کے نقشے سے مزین ہے[3]، اس کے نیچے دو سطروں کے القاب کے بعد مفتی صاحب کا نام، اور آخری سطر میں موٹے قلم سے یہ عبارت ہے "در مطبع احمدی باہتمام شیخ ظفر علی مطبوع شد"۔

دوسرا ایڈیشن بھی اسی مطبع احمدی میں سنہ ۱۲۶۹ھ میں چھپا ہے، اس کا کاغذ اور کتابت وطباعت نسبتہ بہتر ہے، ہمارے اس نسخے کی ایک اہمیت یہ ہے کہ یہ نسخہ مفتی صاحب نے

---

[1] مفتی صاحب کے ایک شاگرد مولانا ابراہیم بن مدین اللہ نگر نہسوی نے بھی دیوان متنبی کی شرح لکھی تھی (مجتبی)، مگر یہ شرح فارسی میں ہے اور ۱۲۶۱ھ کے اوائل میں شائع ہو چکی ہے۔ (ر ک تاریخ شعرائے عرب، کریم الدین ص ۱۷۱) اس طباعت کا ایک نسخہ راقم سطور کی نظر سے گزرا ہے۔

[2] الف واقعۃ الفتوا اس نام سے متعدد کتابیں لکھی گئی ہیں:

۱۔ واقعۃ الفتوا تالیف مولانا سید نذیر حسین محدث، ردشیعیت میں۔

۲۔ واقعۃ الفتوا مولوی عبداللہ، فجر کے فرض شروع ہونے کے بعد سنتیں پڑھنے کی ممانعت میں۔

[2] ب غالب نامہ نئی دہلی شمارہ جولائی ۱۹۸۱ء ص ۸۵

[3] آثار الصنادید۔ سرسید احمد کے پہلے ایڈیشن میں صحن جامع مسجد، اور زیارت گاہ کی جو تصویر دی گئی ہے اس ٹائٹل کا منظر اس سے بہت مختلف ہے، ممکن ہے کہ یہ اس سے پہلی زیارت گاہ کا عکس ہو جس کے متعلق سرسید نے لکھا ہے: "پانچ برس کا عرصہ گزرتا ہے ایک آندھی تیز آئی تھی اس کے صدمے سے وہ گر پڑا تھا"۔ آثار الصنادید۔ ص ۱۵ (دہلی ۱۲۶۳ھ ۱۸۴۷ء) صفحہ ۱/۲ (لکھنؤ ۱۳۱۸ھ)

مولانا نورالحسن کو عنایت فرمایا تھا، اس کے سر ورق پر یہ عبارت لکھی ہوئی ہے "مولوی حافظ نورالحسن صاحب" جو بلاشبہ مفتی صاحب کے قلم سے ہے۔

مفتی صاحب کی تالیفات کا ذکر کرتے ہوئے کریم الدین پانی پتی نے لکھا ہے :-

"اکثر رسالے اور فتوے ان کی تصنیف سے ہیں، اور ہر روز جو مسائل لکھے جاتے ہیں ان کا کچھ شمار نہیں۔" [۱]

اور ڈاکٹر مختار الدین صاحب نے حدائق الحنفیہ سے نقل کیا ہے" اجوبہ کثیرہ استفتآت آپ کے یادگار ہیں" اس کے بعد ڈاکٹر صاحب نے یہ خیال ظاہر فرمایا ہے :" اب چند تحریرات اور فتاوا باقی رہ گئے۔ باقی سب ضائع ہو گئے"، ڈاکٹر صاحب کا یہ فرمانا بھی صحیح نہیں ہے، ہمارے ذخیرۂ کتب میں مفتی صاحب کی تالیفات کی طرح ان کے متعدد قلمی اور مطبوعہ فتاوا بھی محفوظ ہیں۔ ان میں دو قلمی فتوے خود مفتی صاحب کے قلم سے ہیں :-

۱۔ پہلا فتوا بدعت کے مفہوم اور اس کی قسموں کی تحقیق میں ہے، اس کی تالیف صفر ۱۲۶۶ھ/دسمبر، جنوری ۵۰-۱۸۴۹ء میں ہوئی۔ مفتی صاحب نے ان الفاظ میں اپنے دستخط ثبت کیے ہیں : نمقه العبد المسکین محمد صدرالدین عفی عنه، وذلك فی صفر سنه ۱۲۶۶ھ هجری "

۲۔ دوسرے فتوے میں وحدۃ الوجود کی تحقیق، اور اس کے ماننے والے علما شیخ ابن عربی، شیخ فریدالدین عطار اور مولانا روم پر کفر کے فتوے کی تردید ہے۔ یہ فتوا ربیع الاول سنہ ۱۲۶۶ھ/جنوری فروری ۱۸۵۰ء میں لکھا گیا ہے۔ اس کے آخر میں مفتی صاحب کے دستخط ان الفاظ میں ہیں : صرره العبد المسکین محمد صدرالدین عفی عنه وذلك فی ربیع الاول سنه ۱۲۶۶ھ هجری نبوی" یہ دونوں فتوے فارسی میں ہیں

---

[۱] تاریخ شعرائے عرب ص ۳۹۷ (دہلی ۱۸۴۷ء)

[۲] غالب نامہ نئی دہلی شمارہ جولائی ۱۹۸۱ء ص ۱۰۱

۲۶ - ۱۴ سینٹی میٹر سائز کے آٹھ آٹھ صفحات پر مشتمل ہیں اور فی صفحہ ۱۳ سطریں ہیں، دونوں کے آخری صفحات کی سطریں ۹ ہیں۔ ان فتووں کے علاوہ بھی مفتی صاحب کے متعدد قلمی فتوے مولانا نورالحسن کے کتب خانے میں موجود تھے، ایک قلمی نسخہ (عمدۃ الراشدین تالیف مولانا رشید الدین دہلوی) کے ساتھ چھ فتوے مجلّد تھے، یہ فتاوا بھی غالباً مفتی صاحب ہی کے قلم سے ہیں، مگر اس وقت یہ نسخہ میری دسترس سے دور ہے۔

مفتی صاحب کا ایک اور قلمی فتوا جو کہیں ظاہر ہونے سے پہلے باغات کی فروخت کے متعلق ہے۔ مخدومنا مولانا سید ابوالحسن علی ندوی (ندوۃ العلما لکھنؤ) کے خاندانی مرقع میں راقم کی نظر سے گزرا ہے۔

قلمی فتاوا کے بعد مطبوعہ فتوا کا تعارف حاضر ہے، ان میں چھے فتوے بتمام وکمال مفتی صاحب کے لکھے ہوئے ہیں اور چند فتاوا ایسے بھی ہیں جن پر صرف مہر یا تصدیق کی گئی ہے۔ پہلی قسم کے ۵ فتوے یہ ہیں:

۱ - نماز کے بعد عراق کی طرف رُخ کر کے گیارہ قدم چلنا، اس فتوے میں اس عمل کا خلاف شریعت ہونا واضح کیا ہے، یہ فتوا مفتی صاحب کے مطبوعہ فتاوا میں سب سے طویل فتوا ہے، یہ فتوا رسالہ "ضرب الاقدام" مولانا محمد حسین فقیر میں شامل ہے[1]۔ اس فتوے کا اردو ترجمہ نواب قطب الدین دہلوی نے اپنے رسالے "ہدیۃ الملکہ" میں بعنوان "ترجمہ فتوا مفتی محمد صدرالدین خاں بہادر، صدرالصدور دہلی" شائع کیا تھا[2]، اس ترجمے سے اصل فتوے کی تاریخ تحریر شعبان ۱۲۵۹ھ / ستمبر ۱۸۴۳ء معلوم ہوتی ہے، مطبوعہ فارسی فتوے میں تاریخ درج نہیں ہے۔

۲ - قبروں کا بوسہ لینے کا حکم اور اس کو شرک لکھنے والے ایک عالم کی

---

[1] ضرب الاقدام بر حاشیہ عشرہ کاملہ مولفہ: محمد عبیداللہ ص ۳ تا ۷ فخرالمطابع دہلی (غالباً ۱۲۷۰ھ)

[2] ہدیۃ الملکہ، نواب قطب الدین دہلوی ص ۶ تا ۸ (مصطفائی دہلی ۱۲۷۱ھ)

تصدیق - یہ فتوا مفتی صاحب کے قدیم ترین فتوے میں سے ہے، اس پر ۱۲۴۰ھ کی مہر ثبت ہے، یہ فتوا بھی رسالہ "ہدیۃ المکہ" میں نقل کیا گیا ہے۔ [۱]

۳ - شرک اور اس کی قسموں کی تحقیق، یہ فتوا سیف الموحدین لقطع عنق المشرکین میں موجود ہے۔ [۲ الف]

۴ - شاہ محمد اسماعیل شہید، اور ان کی کتاب تقویۃ الایمان کے متعلق ہے، اس میں لکھتے ہیں: "مولوی اسماعیل کو ایسا دیکھا کہ پھر کسی کو ایسا نہ دیکھا"۔ [۲ ب]

۵ - تقلید شخصی کا ضروری ہونا، یہ فتوا اور اس کا اردو ترجمہ "تنبیہ الضالین" میں شامل ہے۔ [۳]

۶ - غیر مسلموں سے گوشت خریدنے میں احتیاط، یہ فتوا مولانا محمد حسین فقیر نے شائع کرایا تھا۔[۴] اس پر ثبت مہروں میں قدیم ترین مہر ۱۲۴۰ھ کی مفتی صاحب کی ہے اس لیے ممکن ہے کہ یہ فتوا مفتی صاحب کا لکھا ہوا ہو۔

مفتی صاحب کے عہد کے اختلافی مسائل میں "تحقیق ض" بھی بحث و تحقیق کا موضوع بنا ہوا تھا، اس سلسلے کی تالیفات میں ایک رسالہ "تحقیق المحققین فی رفع الشبہۃ عن المشتبہین" ہے، اس پر مفتی صاحب کی تصدیق موجود ہے۔

---

[۱] ہدیۃ المکہ، ص ۹

[۲] سیف الموحدین لقطع عنق المشرکین جواب بوارق محمدیہ مولوی فضل رسول بدایونی، ص ۹ (مطبع قادری دارالسلام۔ دہلی)

[۲ ب] فضائل عالم با عمل، مولانا محمد حسین فقیر، ص ۴ (مجتبائی دہلی، باہتمام نصیب علی۔ بلا سنہ)

[۳] تنبیہ الضالین و ہدایت الصالحین، مرتبہ: مولوی غلام قادر بنیانی کلکتوی (برحاشیہ نظام الاسلام مولفہ مولوی وجیہہ الدین کلکتہ) ص ۴۰ - ۴۱ مطبع گنیش پرشاد۔ لاہور۔

[۴] اظہار الحلال وحرام، مرتبہ: مولانا محمد حسین فقیر (مطبع مصطفائی دہلی ۱۲۷۲ھ) یہ فتوا اشتہار کی شکل میں چھپا تھا اور تحفۃ الہند کے ساتھ شامل ہے۔

اس رسالے کے ساتھ "مباحثہ ضاد وظا" بھی شامل ہے، یہ ض کی تحقیق میں منعقدہ ایک مباحثے کی روداد ہے جو مفتی صاحب کے مکان پر مولوی محمد شاہ، اور مولوی امام الدین کے درمیان ہوا، مفتی صاحب اور مولانا سدید الدین اس مباحثے میں حکم بنائے گئے تھے۔ [1]

"رسالہ تنبیہ الضالین" کے آخر میں تقلید کے مسئلے پر علمائے حجاز کے فتوے نقل کیے گئے ہیں جو سنہ ۱۲۵۶ھ میں لکھے گئے تھے، ان فتاوا پر ہندوستان کے مشہور علما کی تصدیقات ہیں، اور اس کے ساتھ ہی اسی مبحث پر علمائے دہلی کا بھی ایک تفصیلی فتوا موجود ہے، دونوں پر مفتی صاحب کی مہر و تصدیق ہے۔ [2]

اس زمانے میں دستور تھا کہ خوش الحال اشخاص لڑکے لڑکیاں خرید کر غلام اور کنیز کی طرح رکھتے تھے، اور ان پر مالکانہ تصرف کرتے تھے جو شرعاً صحیح نہیں تھا۔ مولانا قطب الدین دہلوی نے اس کے متعلق مولانا شاہ محمد اسحاق محدث دہلوی اور مولانا وجیہ الدین سہارن پوری کے فتاوا کا اردو ترجمہ اور اس پر مشہور علما کی تصدیق کرا کے شائع کیا، ان دونوں فتووں پر مفتی صاحب کی تصدیق و تائید موجود ہے۔ [3]

رسالہ نکاح ثانی تالیف حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی کے ساتھ بیوہ کے دوسرے نکاح کی فضیلت اور اس کو معیوب جاننے کی برائی میں مولانا احمد علی محدث سہارن پوری کا مفصل فتوا چھپا تھا، اس فتوے پر بھی مفتی صاحب کی مہر موجود ہے[4]۔ اس فتوے کا اردو ترجمہ بھی نواب قطب الدین نے کیا۔ اس کے آخر میں بھی وہ سب تصدیقات اور مہریں نقل کی گئی ہیں۔ [5]

---

[1] مطبع ناصری شاہدرہ دہلی ۱۲۸۱ھ/۱۸۶۴ء

[2] تنبیہ الضالین، و نظام الاسلام۔ ص ۱۲۷ ص ۱۳۰

[3] مظہر الحق تالیف نواب قطب الدین ص ۱۷ ص ۳۶ (احمدی دہلی ۱۲۶۰ھ)

[4] ضمیمہ رسالہ نکاح ثانی، ص ۱۱ (مطبع مطیع الرحمان۔ دہلی ۱۲۶۸ھ)

[5] عروس المومنین نواب قطب الدین۔ ص ۵۴ (مطبع دار السلام دہلی ۱۲۶۴ھ)

ایک اور فتوا جس پر مفتی صاحب کے دستخط ہیں جامع مسجد دہلی میں موجود تبرکات کے سلسلے میں ہے، یہ فتوا سنہ ۱۲۷۷ھ/۱۸۶۰ء میں کوہ نور اخبار لاہور میں چھپا تھا۔[۱]

مفتی صاحب کی علمی باقیات میں ان تقریظات کا ذکر ناگزیر ہے جو انھوں نے مختلف کتابوں پر لکھی ہیں، ان میں سب سے زیادہ قابل قدر اور عربی نثر نگاری میں مفتی صاحب کے مقام کی ترجمان وہ تقریظ ہے جو 'حاشیہ صحیح بخاری' مولانا احمد علی محدث سہارن پوری پر لکھی ہے۔[۲] فارسی میں ایک مفصل تقریظ 'دلائل الاذکار فی اثبات الجہر والاسرار' مولانا شیخ محمد تھانوی پر ہے، اس میں مفتی صاحب نے ذکر بالجہر کے متعلق اپنا مسلک لکھا ہے۔[۳] مفتی صاحب نے مولانا شیخ محمد کی کتاب 'سلک التنقیح فی اثبات جواز التسبیح' پر بھی تقریظ لکھی ہے[۴]، اور چند جلے 'نور العین فی ذکر مولد النبی وشہادۃ الحسنین' تالیف مولانا قلندر علی زبیری، پانی پتی پر تحریر کیے ہیں۔[۵]

آخر میں ان خطوط کا تعارف پیش کیا جاتا ہے جو مفتی صاحب نے اپنے عزیز ترین شاگرد مولانا نور الحسن کاندھلوی کے نام لکھے تھے، یہ خطوط ایک قلمی مجموعہ مکتوبات میں موجود ہیں۔ یہ مجموعہ مولانا ریاض الحسن محمد سلیمان کاندھلوی[۶] نے تقریباً ۱۳۰۷ھ/۹۰-۱۸۸۹ء میں مرتب کیا ہے،

---

[۱] اس فتوے کی اشاعت کی تاریخ جناب امداد صابری نے تاریخ صحافت اُردو میں ۲۹ ستمبر (ص ۴۰۹ جلد اول) اور آثار رحمت ص ۲۲۸ میں ۲۹ دسمبر نقل کی ہے۔ بظاہر پہلی صحیح ہے۔

[۲] صحیح بخاری ص ۱۱۳۰ (احمدی وسیّد المطابع دہلی ۱۲۶۴ھ یہ تقریظ بخاری کے میرٹھ ایڈیشن (احمدی ۱۲۸۲ھ) میں شامل نہیں ہے مگر اس کے بعد کی تمام طباعتوں میں موجود ہے۔

[۳] دلائل الاذکار فی اثبات الجہر والاسرار، ص ۵۳ ص ۹۵ (فخر المطابع۔ دہلی۔ ۱۲۷۰ھ)

[۴] سلک التنقیح فی اثبات جواز التسبیح ص ۱۶۔ (فخر المطابع دہلی ۱۲۷۰ھ)

[۵] نور العین فی ذکر مولد النبی وشہادۃ الحسنین۔ ص ۳۲ (مطبع ناصری شاہدرہ، دہلی ۱۲۸۲ھ)

[۶] مولانا ریاض الحسن محمد سلیمان، ولادت ۲۱ جمادی الاولیٰ ۱۲۵۷ھ/۱۲ جولائی ۱۸۴۱ء تعلیم والد بزرگوار سے حاصل کی، نہایت ذی علم و ذی وقار بزرگ تھے، فقہ اور تصوّف سے خصوصی مناسبت تھی۔ ۱۸۸۴ء سے علی گڑھ قیام رہا، مولانا فیض الحسن محمد اکبر خلف مولانا نور الحسن، پروفیسر عربی کی وفات ۵ شوال ۱۳۰۰ھ

۱۲۴ صفحات اور ۷۵ خطوط پر مشتمل ہے، اس میں مولانا فضل حق خیرآبادی کے ۴۹، مولانا فضل عظیم خیرآبادی اور مفتی صدر الدین آزردہ کے تین تین، مولانا رحمت اللہ کیرانوی اور مولانا ابوالحسن کاندھلوی کا ایک ایک خط موجود ہے، مولانا فضل حق کے ایک ایک خط کے علاوہ یہ تمام خطوط مولانا نورالحسن کے نام ہیں۔ مفتی صاحب کے خطوط کا اجمال یہ ہے:-

۱ - ہولی دیوالی اور دسہرے کے موقع پر غیرمسلم افسران اور دوستوں کو ہدیے تحفے پیش کرنے کی مذہبی تہذیب پر تفصیلی بحث ہے، یہ خط ۷ صفحات کا ہے، اور ۱۶/ شعبان ۱۲۷۰ھ / مئی ۱۸۵۴ء میں لکھا گیا ہے۔ اس خط کا کچھ حصہ مفتی صاحب کے قلم کا بھی موجود ہے۔

۲ - ایک خط میں سرسید کے بجنور سے دہلی آنے کا، اور پادری ای ایڈمنڈ کے اس خط کا ذکر ہے جو کلکتے سے تمام سرکاری ملازمین کو بھیجا گیا تھا، مفتی صاحب کا یہ خط ۱۱/ رمضان ۱۲۷۱ھ / ۲۸/ مئی کو تحریر ہوا ہے۔

۳ - الوفا فی حقوق المصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم تالیف علامہ ابن جوزی کی نقل کا ذکر ہے۔ خط کی تاریخ کتابت ۲۵/ صفر ۱۲۷۲ھ / ۶/ نومبر ۱۸۵۵ء ہے۔



۸/ جولائی ۱۸۸۶ء کے بعد منیجر بورڈنگ ہاؤس (ایم۔ اے۔ او کالج) مقرر ہوئے، سرسید کے مذہبی خیالات سے اتفاق نہیں رکھتے تھے۔ اس موضوع پر ان کے مضامین بھی شائع ہوئے تھے۔ سرسید سے نظریاتی اختلاف کے باوجود آخر تک علی گڑھ سے تعلق قائم رہا، کاندھلہ میں ۴/ فروری ۱۹۰۸ء / ذی الحجہ ۱۳۲۵ھ میں وفات ہوئی۔ مجموعہ مکتوبات بنام مولانا نورالحسن، کتاب فقہ عربی میں، حاشیہ قصیدہ بانت سعاد، اشاعۃ السناعہ عن اماد ۃ الجماعۃ علمی یادگار ہیں۔

نوٹ: حاشیہ ص ۳۲ الف سے ص ۵۲ تک جن کتابوں کے حوالہ جات نقل ہوئے ہیں، (بلاوہ صحیح بخاری ۱۲۷۰ھ) کہ وہ ہمارے ذخیرۂ کتب میں موجود ہیں۔

للعلامۃ المحقق

[illegible]

[illegible]

نیز ہو ہرا گردہ جمیع بزرگان دھا زم بمسئلہ وحدت وجود کا فر شوند نیتاں کہ
نعلبیعتی او لی کا فر بنا احد نبود و ھر کسے کہ می گوید کہ اگر قائلان وحدت
وجود را کدام کس کافر گرداند ہم کافر است در تکفیر دو جا عہ از
مسلمانان صاحب خود را برباد دادہ قال ابن ملک فی
شرح المشارق عند قولہ علیہ الصلوٰۃ والسلام اذا کفر الرجل اخاہ
فقد باء بھا احدھما ای رجع بکلمۃ الکفر احدھما والضمیر فی بھا راجع
الی المعصیۃ المذکورۃ مکانہ یعنی رجع بمعصیۃ الکفارۃ واللہ اعلم
اتم واحکم حررہ العبد المسکین محمد صدر الدین عفی عنہ ذولک
ربیع الاول سنہ ۶۶ ہجریہ نبویہ

عکس تحریر

مولانا مفتی صدر الدین آزردہ دہلوی

(فتوی بسلسلہ قائلین وحدت الوجود)

مفتی الٰہی بخش بیدرمی
کاندھلہ مظفر نگر (یوپی)
انڈیا

غالب نامہ

مجلّہ

غالب نامہ نئی دہلی

جنوری ۱۹۸۳ء

جلد ۴ ———————————— شمارہ ۱

قیمت : ۳۰ روپے

ناشر و طابع : شاہد ماہلی

کتابت : ظفر رضا ٹونکی

مطبوعہ : چوہان آرٹ پریس، نئی دہلی



اس مجلّہ کی پروسینگ اور طباعت
پرنٹو اینڈ پروسس ۳۱۲ ماڈل پور نئی دہلی ۹۳
کے زیر اہتمام ہوئی۔

خط و کتابت کا پتا

غالب نامہ، غالب انسٹی ٹیوٹ، ایوانِ غالب مارگ، نئی دہلی ۱۱۰۰۰۲

فون : ———————— ۲۶۱۴۹۵

فہرست

اداریہ	پروفیسر نذیر احمد	۷
غالب : شخصیت اور شاعری	باقر مہدی	۹
عندلیبِ گلشنِ نا آفریدہ	علی سردار جعفری	۲۸
فارسی کی ایک اہم بیاض	پروفیسر سید امیر حسن عابدی	۴۲
غالب : عندلیبِ گلشنِ نا آفریدہ	ڈاکٹر رضیہ اکبر	۶۲
غالب کا تصورِ فن	ڈاکٹر محمد صدیق	۷۸
نوادرِ غالب	ڈاکٹر نثار احمد فاروقی	۸۸
بنواری لال شعلہ	ڈاکٹر حنیف نقوی	۱۱۰
مہرِ نیمروز	ڈاکٹر نورالحسن انصاری	۱۳۱
غالب کا تصورِ ابلاغ	ڈاکٹر ابنِ فرید	۱۴۸
تصویرِ شعرا	کاظم علی خاں	۱۶۲
انیس کی ایک رباعی	محمد صادق صفوی	۱۹۷
باقیاتِ آزردہ	مولانا راشد کاندھلوی	۲۰۱
معراج نامۂ غالب	ڈاکٹر آزرمیدخت	۲۲۲
تبصرے	رشید حسن خاں	۲۳۷